مکالمہ بین المذاہب کا نبوی منہج

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی*

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن**

Interfaith dialogue has gained special attention now a days. Its synonym is "Hawar" in Arabic language. Its meaning is to exchange arguments through healthy debating. This word has been used in same context in the "Holy Quran" at several occasions In fact "Religion" is the oxygen for mankind so in order to quest for true religion, the significance of "debate" cannot be neglected. Today, even amongst the followers of the same religion divergence and disagreement prevail. In this situation, debate among religions should be held at international level in order to save the world from horrible collision. The duty lies on the scholars of meditators, so that the false ideologies be uprooted. The Last Holy Prophet Hazarat Muhammad (S.A.S) preached for the faith, with all His knowledge power, for the betterment and peace of the world and founded the debate among religions. The teaching of Last Prophet(S.A.S)are milestone. That is how He(S.A.S)delivered the true message of religion Islam to all the thinking mankind successfully.

دنیا کے کئی ممالک میں مکالمہ بین المذاہب(Interfaith dialogue) کو خاص اہمیت دی جا رہی ہے۔ مکالمے کو عربی زبان میں الحوار کہتے ہیں۔اس کا مطلب باہمی گفت وشنید،سوال و جواب اور دلائل کا تبادلہ کرنا ہے۔قرآنِ مجید نے کئی مقامات پر اس لفظ کا اسی معنیٰ میں استعمال کرتے ہوئے مکالمے کے کئی نمونے پیش کئے ہیں،مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَقَالَ لِصَاحِبِہٖ وَ ھُوَ یُحَاوِرُہٗۤ اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا وَ دَخَلَ جَنَّتَہٗ وَ ھُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ ھٰذِہٖۤ اَبَدًا وَّ مَآ اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآئِمَۃً وَّ لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْھَا مُنْقَلَبًا قَالَ لَہٗ صَاحِبُہٗ وَ ھُوَ یُحَاوِرُہٗۤ اَکَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَکَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ سَوّٰکَ رَجُلًا﴾ ۱؎

''(ایک دن) جبکہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ مَیں تم سے مال

*چیئرمین،شعبہ علومِ اسلامیہ انجینئرنگ یونیورسٹی،لاہور

** اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ علومِ اسلامیہ انجینئرنگ یونیورسٹی،لاہور

(ودولت) میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے (اور جماعت) کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت (وقوت) والا ہوں۔اور وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اَپنے باغ میں داخل ہوا، کہنے لگا کہ مَیں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو۔اور نہ یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو۔اور اگر مَیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔تو اُس کا دوست، جو اُس سے گفتگو کررہا تھا، کہنے لگا کہ کیا تم اس (اللہ) سے کفر کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تمہیں پورا آدمی بنایا۔''

ظہار کے معاملے میں خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان مکالمے اور باہمی گفت وشنید کو قرآن مجید نے تحاور کہا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ﴾ ۲؎

''جو عورت آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث وجدال کرتی اور اللہ سے شکایت (رنج وملال) کرتی تھی۔اللہ نے اس کی التجا سن لی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔کچھ شک نہیں کہ اللہ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔''

نظریات کے بیابان سے علم وعقل کی روشنی میں راہِ حق تلاش کرنے کی اشد ضرورت ہے، مذہب انسان کی فطری ضرورت ہے، اور صحیح مذہب تک رسائی مکالمے کے مراحل سے گزرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ انسانی طبیعتوں اور ذہنی وفکری صلاحیتوں میں باہمی تفاوت اور بعض دیگر اسباب کی بنا پر دنیا مذاہب اور نظریات کا ایک جنگل بن چکی ہے، حتیٰ کہ بظاہر ایک ہی مذہب کے ماننے والے باہم فکری اختلافات وانتشار کا شکار ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ اِنَّکُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ یُّؤْفَکُ عَنْهُ مَنْ اُفِکَ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ﴾ ۳؎

''اور آسمان کی قسم جس میں راستے ہیں کہ (اے اہلِ مکہ!) تم ایک متضاد بات میں (پڑے ہوئے) ہو۔اس سے وہی پھرتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) پھیرا جائے۔اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں، جو بےخبری میں بھولے ہوئے ہیں۔''

ضرورت واہمیت

قیامِ امن کے سلسلے میں تاریخ کے ہر دور میں مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی

ہے۔آج جبکہ دنیا ایک فکری محاذ آرائی کے عمل سے گزر رہی ہے، ہر قوم اپنی تہذیب وثقافت اور نظام کو برتر ثابت کرنے کے لیے کوشاں ہے اور غالب اقوام اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تہذیب کو دوسروں پر مسلط کرنے پر مصر ہے۔

بسا اوقات تہذیبوں کا فکری تصادم خوفناک جنگوں کا باعث بن جاتا ہے۔ایک طرف عقل کو اتھارٹی قرار دے کر اور انسانی خواہشات مغرب کی حیاباختہ تہذیب اور اس کے ظالم نظام کو دنیا پر مسلط کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی مذاہب کے وارث کی حیثیت سے اسلام کو اصل وحقیقی اتھارٹی قرار دیا ہے۔اس صورتِ حال میں دنیا کو خوفناک تصادم سے بچانے کا ایک مؤثر حل یہ ہے کہ مکالمہ بین المذاہب کو بلکہ بین الاقوامی سطح پر لازمی طور پر فروغ دیا جائے۔

دینِ فطرت (اسلام) کی آخری کتاب قرآنِ کریم نے انبیاء علیہم السلام کے اپنی قوموں اور اُس وقت کے حکمرانوں کے ساتھ کئی مکالمات کا تذکرہ کیا ہے جس سے مکالمہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نظریاتی انتشار اور عملی بگاڑ کے اس دَور میں مقدم ترین فریضہ انسانیت کی اصلاح ہے لہٰذا ہر انسان پر اپنے اپنے دائرہ اختیار میں یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صحیح فکر وعقیدہ کو علم ودانش کی پوری قوت کے ساتھ پیش کرے اور باطل افکار ونظریات کی بیخ کنی کرے۔

فرض کی ادائیگی کے اس سلسلے میں ایک داعی اور مصلح (reformer) کے لیے مکالمہ کے اصول وضوابط کو جاننا انتہائی ضروری ہے۔یہاں سیرت نبوی کی روشنی میں چند اہم اصول وضوابط کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

مکالمہ بین المذاہب کے اہم اصول، سیرتِ نبوی کی روشنی میں

کائناتِ انسانی کے آخری پیغمبر محمد ﷺ نے دعوت واصلاح کی غرض سے مکالمہ بین المذاہب کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ اس کے زرّیں اصول پوری جامعیت اور وضاحت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیے تاکہ انسان اپنی شعوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دینِ حق کو پہچان سکے۔مکالمہ بین المذاہب کا مقصد تلاشِ حق کے سوا اور کچھ نہیں کہ انسان کو نظریات کے اس جنگل میں اصل دین کی پہچان ہو جائے۔ذیل میں چند اہم آفاقی اصول ذکر کیے جاتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ﴾[۴]۔

''(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے رب کے راستے کی طرف بلائیں۔ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو جو اُس کے راستے سے بھٹک گیا۔ آپ کا رب اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے خوب واقف ہے۔ اور اگر تم انہیں تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تمہیں ان سے پہنچی۔ اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔''

مطلب یہ کہ لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلانے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو انتہائی دانائی پر مبنی ہو۔ اپنے موقف کی تائید میں سنجیدہ اور باوقار انداز میں ایسے دلائل پیش کیے جائیں کہ مخاطب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

۲۔ داعی اور مبلغ کی زبان اور لب ولہجہ انتہائی نرم اور مشفقانہ ہو۔ اس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ سخت سے سخت اور تلخ سے تلخ حقیقت کے بیان کے لیے انتہائی نرم اور شیریں الفاظ کا انتخاب کر سکے، نرم، لطیف، پروقار اور محبت و خیر خواہی پر مبنی لہجہ اختیار کیا جائے، ناشائستہ، چڑھ دوڑنے اور دھونس جمانے کا انداز اختیار نہ کیا جائے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ ۵۔

''تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔''

چنانچہ اس سلسلے کا ایک اہم قاعدہ یہ ہے کہ داعی زبان و بیان کی نزاکتوں پر گہری نظر رکھتا ہو اور وہ اس کی باریکیوں کو بخوبی جانتا ہو۔ نیز یہ کہ مخاطب کو اشتعال میں لانے والی زبان سے پرہیز کیا جائے اور یہ کہ مخاطب کی اشتعال انگیز کارروائیوں پر بھی صبر و برداشت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

مخالف کے موقف پر تنقید اور اس کے دلائل کی تردید چونکہ بہت نازک کام ہے کیونکہ اس (دعوة بالحكمة اور موعظة حسنة) کی نسبت مخاطب کے اشتعال میں آنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے، اس لیے ایسا نازک کام انتہائی احسن طریق سے سرانجام دینا چاہیے تاکہ مخاطب میں ضد و عناد اور اشتعال پیدا نہ ہونے پائے۔

۳۔ تیسرا اصول یہ واضح ہوتا ہے کہ مکالمہ کرنے والا ترغیب اور تلقین کا سنجیدہ اور معتدل طریقہ اپنائے۔

۴۔ چوتھا اصول یہ کہ مخالف فریق اگر ظلم و زیادتی پر اتر آئے تو انصاف و اخلاق میں بدلہ کا حق محفوظ رکھتے ہوئے نہایت ہی تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ حق پر ڈٹے رہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾[۶]

''اے کپڑا اَوڑھنے والے! کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے۔ اور اپنے رب کی بڑھائی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر۔ اور ناپاکی چھوڑے رکھ۔ اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔ اور اپنے رب کے لیے صبر کر۔''

آفاقی اصولوں کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوئی ہے کہ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام فصیح اللسان تھے اور خصوصاً رسول اکرم ﷺ سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے۔ اسی لیے دینِ اسلام کی اکملیت کا سنہرا سہرہ آپ ﷺ کے سر رہا۔

دورانِ مکالمہ حق پر سمجھوتہ اور مداہنت نہ کی جائے

آج ایک طرف مذہبی تعصب کی یہ صورتِ حال ہے کہ اجتہادی مسائل کی بنا پر بھی باہم کفر وشرک کے فتوے لگائے جاتے ہیں تو دوسری طرف نام نہاد روشن خیالوں اور لبرل ازم کے علمبرداروں کا یہ مطالبہ ہے کہ مسلم علماء کو چاہیے کہ وہ دیگر مذاہب کے ساتھ مکالمہ میں مثبت انداز اختیار کریں۔ رواداری کا تقاضا یہ ہے کہ باہمی کمپرومائز کی کوئی نہ کوئی صورت نکالیں، جدید تمدنی ارتقاء کے پیشِ نظر اپنے بعض معتقدات اور قوانین سے دست بردار ہو جائیں، مثلاً توہینِ رسالت کا قانون ختم کر دیں، جہاد کا تصور تبدیل کریں، عورت کو حق دیں کہ وہ بھی مرد کو طلاق دے سکے نیز اسے وراثت میں مرد کے برابر حصہ دیا جائے، مذہب کو صرف نجی زندگی تک محدود کر دیں اور سیاست، معاشرت اور معیشت کو مذہبی مداخلت سے آزاد کر دیا جائے۔ المیہ یہ ہے کہ اصولوں پر مداہنت اور سمجھوتہ کرنے کا رویہ فکری انتشار وافتراق اور تشتت کو جنم دے رہا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾[۷]

''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[۸]

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا متلاشی ہوگا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

سابقہ انبیاء علیہم السلام نے اسی دینِ اسلام کو اِختیار کیا اور اسی کی دعوت دی اور اب صرف دینِ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''اللہ کا دین اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانینِ فطرت کی اطاعت ہے اور آسمان وزمین میں جس قدر مخلوق ہے سب قوانینِ الٰہی کی اطاعت کر رہی ہے پھر اگر تمہیں اللہ کے قانونِ

فطرت سے انکار ہے تو اللہ کے قانون کے سوا کائناتِ ہستی میں اور کونسا قانون ہوسکتا ہے؟ کیا تمہیں اس راہ پر چلنے سے انکار ہے جس پر تمام کارخانۂ ہستی چل رہا ہے؟''[9]

ایک باشعور انسان ہونے کی حیثیت سے اگر کوئی فطرتِ سلیمہ اور اسلامی احکامات کے سامنے رکھے اور اپنی سوچ کے دھاروں کو آزاد چھوڑتے ہوئے غور وفکر کرے تو اُس کی عقل کا یہی فیصلہ ہوگا کہ اسلام ہی دینِ فطرت ہے۔ ہماری دلیل کی بنیاد رسولِ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تَنْتِجُ الْبَهِيْمَةَ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾))[10]

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح ایک چوپایہ صحیح سالم چوپائے کو جنم دیتا ہے۔ کیا آپ اس میں کوئی کجی محسوس کرتے ہیں؟ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی: اللہ کی فطرت کی اتباع کرو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت (دین) میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی سیدھا دین ہے۔''

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ یہ واضح کرتے ہیں کہ ہر بچہ دینِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، جس پر وہ فطری طور پر ایمان رکھتا ہے، اگر اسے فطرتِ سلیمہ پر چھوڑ دیا جائے تو اِسلام کو بغیر تردد کے قبول کرے گا۔ لہٰذا وہ فطرتِ سلیمہ جس پر انسان پیدا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک ہونے پر پورا یقین و ایمان رکھتا ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ وہ ایک اللہ کا اقرار کرے، اگر آباء اجداد اور ماحول بُرا ہو اُس کے بداثرات سے یہ فطری خوبی غیر فطری 'بدی' (کفر، شرک وضلالت) میں بدل جاتی ہے۔ اگر انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہے تو خداداد عقل وفہم اور بصیرت سے اسے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور یہی برہانِ فطرت ہے۔

اجتہادی اختلاف

اجتہادی نوعیت کے مسائل میں احتمالی دلائل کی وجہ سے اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے، اگر کوئی مسئلہ ایک سے زائد پہلوؤں کا حامل ہے تو اس صورت میں شدت اور تعصب کا رویہ اختیار کرنے کی بجائے مصالحانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ معاہدہ صلح حدیبیہ اس حقیقت کی عمدہ مثال ہے۔ اگر معاملہ اصولوں کا نہ ہو تو موقف میں لچک پیدا کر کے سمجھوتہ کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح جب بنی قریظہ کے خلاف اپریشن کا فیصلہ ہوا تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ))[11]

''ہر کوئی عصر کی نماز بنی قریظہ میں ہی جا کر پڑھے۔''

اب راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو جانے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا لیکن صحابہ نے اپنی رائے کو دوسروں پر مسلط کرنے کی بجائے بعض نے راستے میں نماز پڑھ لی کہ وقت ہو چکا تھا اور بعض نے نبی اکرم ﷺ کے حکم کو ظاہری صورت پر محمول کرتے ہوئے بنی قریظہ میں ہی جا کر نماز پڑھی، نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی کو بھی غلط قرار نہیں دیا۔

اسی طرح حج کے موقعہ پر صحابہ کرام کے متعدد استفسارات پر نبی اکرم ﷺ کا ((ولا حرج)) [12] فرمانا اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ [13] بظاہر ان کے کفر و نفاق کا غماز تھا لیکن آپ ﷺ کا دوسرے احتمال کی وجہ سے انہیں معاف کرنا ہمارے لیے اس سلسلے میں اپنے اندر راہنمائی کا وافر سامان رکھتا ہے۔

دعوتِ حق

اگر مسئلہ حق و باطل اور اصول کا ہو تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا یہ مظہر بالکل واضح ہے کہ اس صورت میں مداہنت اختیار کرنے اور لچک دار رویہ اپنانے کی گنجائش نہیں۔ یا اس میں کوئی ترمیم و اضافہ روا نہیں ہے۔ کسی ذاتی مفاد، مصلحت یا کسی خطرے کی وجہ سے حق و باطل میں مصالحت کرنا اور اس بارے میں رواداری کا رویہ اختیار کرنا اس کی گنجائش کم از کم ہمیں نبی ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ وہ کسی ملامت گر کی ملامت سے بے خوف ہو کر اپنی ذمہ داری کو پورا کریں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [14]

''اے رسول! جو کچھ آپ کی طرف نازل ہوا ہے اسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا۔''

نبی ﷺ نے اس ذمہ داری کو کس شان سے نبھایا اسے جاننے کے لیے آپ ﷺ کی سیرت کے تین مکالمات ملاحظہ کیجیے:

ا۔ مکہ مکرمہ میں جب مسلمان تاریخ کے بدترین ظلم و ستم سے گزر رہے تھے، کوئی ایسا ہتھکنڈہ نہیں تھا جو آپ کی دعوت کو روکنے کے لیے استعمال نہیں کیا گیا۔ بالآخر جب آپ ﷺ مذاکرات اور گفت و شنید کی پیش کش ہوئی، سردارانِ مکہ آپ سے یوں گفتگو کرتے ہیں کہ آپ بے شک اپنے معبود کی بات کریں لیکن ہمارے خداؤں کے خلاف منفی بات نہ کریں۔ اس کے بدلے میں ہم بھی آپ کی نماز میں کبھی کبھی شریک ہو جایا کریں گے، اگر عرب کی سرداری مال و متاع مطلوب ہے تو ہم دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن آپ صرف ایک خدا کی عبادت کا مطالبہ چھوڑ دیں۔ '' کچھ دو اور کچھ لو کی پالیسی'': ﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾ [15]

''وہ چاہتے ہیں کہ کاش! آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں۔''

لیکن اس پالیسی کا جواب قرآن نے یوں دیا:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ [16]

''کہہ دیجیے! اے کافرو! مَیں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی مَیں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ مَیں اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم نے کی۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت مَیں کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔''

۲۔ نجران کا ساٹھ افراد پر مشتمل عیسائی وفد مسجدِ نبوی میں آپ ﷺ کے ساتھ مذاکرات کے لیے موجود رہا، ان میں سے قوم کے چوبیس افراد تھے۔ ان میں سے تین آدمی اہلِ نجران کی سربراہی اور نمائندگی کر رہے تھے۔ کئی گھنٹے مذاکرات کی متعدد نشستیں ہوئیں۔ آپ ﷺ نے انہیں بندوں کی بندگی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور حکمرانی قبول کرنے کی دعوت پیش کی، اصول پر سمجھوتہ نہ کیا۔ بات مباہلے پر آ گئی لیکن وہ تیار نہ ہوئے تو اللہ کی طرف سے مکالمے کا ایک سنہری اصول قیامت تک کے لیے پیش کر دیا:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [17]

''کہہ دیجیے! اے اہلِ کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔''

بالآخر اُن کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہوا۔ وفد کے تین افراد میں سے دو نجران پلٹنے کے بعد مسلمان ہو گئے اور پورے قبیلے میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ [18]

۳۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب معترض ہوئے کہ ہم نے انہیں رب تو نہیں بنایا تھا! آپ ﷺ نے فرمایا: عدی یہ تو بتاؤ کیا تم نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کی اختیار اپنے پادریوں کو نہیں دیا تھا؟ کہنے لگے: ہاں، یہ تو ہے۔ آپ نے فرمایا: یہی تو اُنہیں رب بنانا ہے۔ [19]

عیسائیت میں آج بھی یہ حاکمیت اختیار پوپ کے پاس موجود ہے، لیکن اسلام میں کسی قانون کو تبدیل کرنے یا کالعدم قرار دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

۴۔ چھ آدمیوں پر مشتمل ثقیف کا ایک وفد اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مذاکرات کے لیے مدینے میں حاضر ہوا اور اُس نے اپنے مسلمان ہونے کی شرائط پیش کیں، ہمارے بت لات کو نہ توڑا جائے، ہمیں شراب، سود اور زنا کی اجازت دی جائے، انہیں نماز سے معاف رکھا جائے اور اُن کے بت خود اُن کے ہاتھ سے نہ تڑوائے جائیں لیکن آپ ﷺ نے ان باتوں پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا، البتہ یہ شرط لگائی کہ لات توڑنے کا انتظام اللہ

کے رسول ﷺ خود کر دیں۔ آپ ﷺ نے یہ شرط منظور کر لی۔[20]

مقصد اور اسلوب

مکالمے کا مقصد احقاقِ حق ہونا چاہیے نہ کہ علمی تفوق اور مخاطب پر اپنے علم و فضل کا دھاک بٹھانا۔ اس سے دعوت کے مقصد کو شدید نقصان پہنچتا ہے اور قبولِ حق کی فضا سوگوار ہو جاتی ہے۔ مخاطب اس رویے سے ہٹ دھرمی اور ضد کا شکار ہو جاتا ہے اور مکالمہ گویا ایک دنگل کا روپ دھار لیتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال وہ مناظرے ہیں جو آئے روز ہوتے رہتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾[21]

''اور اہلِ کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔ ہاں جو اُن میں سے بے انصافی کریں (ان کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو) اور کہہ دو کہ جو (کتاب) ہم پر اتری ہے اور جو (کتابیں) تم پر اتریں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔''

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے، اور اسے راہِ راست پر لائے، اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد مدِ مقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے، بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ نہ بڑھ جائے۔[22]

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لا تعلموا العلم لتباھوا به العلماء او لتماروا به السفهاء او لتصرفوا وجوه الناس اليكم فمن فعل ذالک فهو فی النار))[23]

''علم اس لیے نہ سیکھو کہ تم اس کے بل پر علماء پر فخر کرو اور بے وقوفوں سے بحث و مباحثہ کرو اور نہ اس لیے کہ لوگ تمہارے گرویدہ ہو جائیں۔ جس نے ایسا کیا وہ جہنم میں جائے گا۔''

غزالی نے اس کی حکمت کو یوں واضح کیا ہے:

''جس طرح شراب ام الخبائث ہے، خود بڑا گناہ ہے اور دوسرے بڑے بڑے جسمانی گناہوں کا ذریعہ بھی ہے، اسی طرح بحث و مباحثہ کا جب مقصود مخاطب پر غلبہ پانا اور اپنا علمی تفوق لوگوں پر ظاہر کرنا ہی ہو جائے تو یہ بھی باطن کے لیے ام الخبائث ہے جس کے نتیجے میں بہت سے روحانی جرائم پیدا ہوتے ہیں، مثلاً حسد، بغض، تکبر، غیبت، دوسرے کے عیوب کا تجسس، ان کی برائی سے خوشی اور بھلائی سے رنجیدہ ہونا، قبولِ حق سے استکبار کرنا، دوسرے کے قول پر انصاف و اعتدال کے ساتھ غور کرنے کی بجائے جوابدہی کی فکر کرنا خواہ اس

کے پیشِ نظر قرآن وسنت میں کیسی بھی تاویلات کرنا پڑیں۔'' [۲۴]

مخاطب کی گمراہی کو مکالمہ اور بحث ومباحثہ کا نقطۂ آغاز نہ بنایا جائے بلکہ سب سے پہلے اس کے سامنے عقل وفطرت کے مسلّمات اور تاریخ وسائنس کے حقائق پیش کیے جائیں، حق وصداقت کی وہ مشترک بنیادیں جنہیں مخاطب بھی تسلیم کرتا ہے، واضح کرتے کرتے ہوئے ان کے لوازمات پیش کریں اور یہ سمجھانے کی کوشش کریں کہ آپ اپنے مذہب کے اصولوں سے انحراف کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکالمے کے اس اصول کی یوں تعلیم دی:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ . يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [۲۵]

''کہہ دیجیے! اے اہلِ کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔ اے اہلِ کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد نازل کی گئی ہیں (اور وہ پہلے ہو چکے) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا بھی مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ سب سے بےتعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

اگر اپنا ہی کوئی ہم مذہب نادانی کی وجہ سے اخلاق سے گرا ہوا رویہ اختیار کرے تو اس کے ساتھ بھی یہی حکیمانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے اور اسے جواب دیتے ہوئے ایسی ہی حقیقت پیش کریں کہ وہ خود ہی اپنے نقطہ نظر اور رویہ پر نظرِ ثانی کے لیے تیار ہو جائے۔ چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، ایک نوجوان نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: مجھے بدکاری کی اجازت دی جائے۔ صحابہ نے اس کی اس گھٹیا جسارت پر اسے ڈانٹنا چاہا، آپ نے صحابہ کو روک دیا، اسے اپنے قریب بٹھایا اور اس سے پوچھا:

((اتحبه لامک؟)) ''کیا تم بدکاری کا یہ فعل اپنی ماں سے پسند کرو گے؟''

نوجوان: ہرگز نہیں۔ پروردگار کی قسم!

آپ نے فرمایا: تو پھر لوگ بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔

آپ نے پوچھا:((اتحبه لابنتک؟))''کیاتم یہ فعل اپنی بیٹی کے ساتھ پسند کرو گے؟''
نوجوان: ہرگز نہیں۔ پروردگار کی قسم! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔
آپ نے فرمایا: تو پھر لوگ بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بیٹیوں کے ساتھ ایسا کرے۔
آپ نے پھر پوچھا:((اتحبه لاختک؟))''کیاتم اپنی بہن کے ساتھ یہ فعل پسند کرو گے؟''
نوجوان: ہرگز نہیں۔ رب کی قسم! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔
آپ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔
آپ نے پوچھا:((افتحبه لعمتک؟))''تو کیاتم یہ پسند کرو گے کہ کوئی تمہاری پھوپھی کے ساتھ یہ فعل کرے؟''
نوجوان: ہرگز نہیں۔ پروردگار کی قسم!
آپ نے فرمایا: تو لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے ساتھ ایسا پسند نہیں کرتے۔
بالآخر آپ نے اپنا دستِ مبارک اس پر رکھتے ہوئے دعا کی:
((اللھم اغفر ذنبه و طهر قلبه و حصن فرجه)) ''اللہ! اس کا گناہ معاف فرما دے، اس کے دل کو صاف کر دے اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ کر دے۔''
راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ نوجوان ایسی چیزوں کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتا تھا۔[۲۶]
دورانِ مکالمہ کسی شخص کے اخلاق و کردار کی پستی کی اصلاح کا یہ کتنا موثر اور دلنشین اسلوب ہے جو ہمیں داعیِ حق نے عطا کیا ہے۔

دورانِ مکالمہ اگر مخاطب فریق دلیل کا جواب دلیل سے دینے کی بجائے طنز و تعریض، استہزاء، تحقیر اور ضد پر اتر آئے اور بات سننے کے لیے تیار نہ ہو بہتر ہے کہ بات ختم کر دی جائے اور کسی دوسرے موقع پر کسی دوسرے پہلو سے بات شروع کی جائے، اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو کم از کم اس کی ضد اور ہٹ دھرمی تو بے نقاب ہو جائے گی۔ الغرض ہر وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو تحصیلِ مقصد کے لیے مؤثر ہو سکے۔ نبی ﷺ کی سیرت کا مطالعہ ہمیں یہی سکھاتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے (اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے) بنی عبدالمطلب کو جمع کیا۔ یہ ایک جماعت کی جماعت تھی اور بڑے ہی بسیار خور تھے۔ ایک شخص بکری کا ایک بچہ کھا جاتا تھا۔ دودھ کا ایک بڑا بدھنا پی جاتا تھا۔ آپ نے ان سب کے لیے صرف تین پاؤ کے قریب کھانا پکوایا لیکن اللہ نے اس میں اتنی برکت دی کہ سب نے پیٹ بھر کر کھالیا اور خوب آسودہ ہو کر پی لیا، لیکن نہ تو کھانے میں کمی آئی تھی نہ پینے کی چیز گھٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا:
اولادِ عبدالمطلب! مَیں تمہاری طرف بالخصوص اور تمام لوگوں کی طرف بالعموم نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس وقت تم میرا ایک معجزہ دیکھ چکے ہو۔ اب تم میں سے کون تیار ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔ وہ میرا بھائی اور ساتھی ہو

گا۔لیکن ایک شخص بھی میرے سوا مجمع سے کھڑا نہ ہوا۔مَیں اس وقت عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:تم بیٹھ جاؤ۔تین مرتبہ آپ نے اسی طرح فرمایا۔تینوں مرتبہ میرے سوا کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔تیسری مرتبہ آپ نے میری بیعت لی۔[۲۷]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:جب آیت ﴿و انذر عشیرتک الاقربین﴾ نازل ہوئی تو نبی ﷺ صفا پر چڑھ گئے اور پکارنے لگے:بنی فہر!بنی عدی!اور قریش کے دوسرے خاندان والو!اس آواز پر سب جمع ہو گئے اگر کوئی کسی وجہ سے نہ آسکا تو اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تا کہ معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ابولہب قریش کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجمع میں تھا۔آپ نے انہیں خطاب کر کے فرمایا:تمہارا کیا خیال ہے،اگر مَیں تم سے کہوں کہ وادی میں (پہاڑی کے پیچھے) ایک لشکر ہے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات سچ مانو گے؟سب نے کہا کہ ہاں،ہم آپ کی تصدیق کریں گے ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی پایا ہے۔آپ نے فرمایا کہ پھر سنو،مَیں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو بالکل میرے سامنے ہے۔اس پر ابولہب بولا،تجھ پر سارا دن تباہی نازل ہو،کیا تُو نے ہمیں اس لیے اکٹھا کیا تھا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾ ”ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا،نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ہی اس کے آڑے آیا۔“[۲۸]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:جب آیت ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے (صفا پر چڑھ کر) آواز دی کہ اے جماعتِ قریش!......اللہ کی اطاعت کے ذریعے سے اپنی جانوں کو عذاب سے بچاؤ(اگر تم کفر وشرک سے باز نہ آئے تو) اللہ کے ہاں مَیں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔اے بنی عبدِ مناف!اللہ کے ہاں مَیں تمہارے لیے بالکل کچھ نہیں کر سکوں گا۔اے عباس بن عبدالمطلب!اللہ کی بارگاہ میں مَیں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔اے صفیہ،اللہ کے رسول کی پھوپھی!مَیں اللہ کے ہاں تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا۔اے فاطمہ بنت محمد!میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے لے لو لیکن اللہ کی بارگاہ میں مَیں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔“[۲۹]

کفارِ مکہ کی محاذ آرائی کے مختلف ہتھکنڈوں کے مناسبِ حال نبی ﷺ نے دعوت کا نہایت اعلیٰ طریقہ اختیار کیا جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس معاملے میں کسی ایک لگے بندھے طریقے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے بلکہ مخاطب کے رویے اور اس دَور کے حالات کے مناسبِ حال ہر وہ طریقۂ دعوت وتبلیغ اختیار کیا جائے جس کے بل بوتے پر دین کی مساعی زیادہ سے زیادہ مفید اور مؤثر ہو سکیں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے پہلے اپنے دوستوں اور قریبی عزیزوں کو انفرادی دعوت دی،کبھی خاندان کے سربراہوں کو کھانے پر بلایا تو کبھی قوم کی روایت کے مطابق کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنا منشور واضح کیا۔کبھی کسی کے گھر جا کر اپنا مشن پیش کیا،ام القریٰ اور طائف کے سرداروں سے خود ملے،حج کے موقعہ پر باہر سے آنے والے وفود سے جا کر ملتے،مختلف قبائل کے سرداروں کو پیغام بھجوایا۔حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر

مدینے روانہ کیا۔صلح کے معاہدے کیے۔اگر اس دعوت کے سامنے کوئی چٹان بنا ہے تو اسے ہٹانے کے لیے تلوار بھی استعمال کرنا پڑی۔بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھے۔مختلف وفود سے مذاکرات بھی کیے۔
الغرض دعوتِ اسلام کی کامیابی کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جس سے دین واخلاق کی روح اور خود دعوت کی شان اور مقصد پر کوئی حرف نہیں آتا تھا۔

دورانِ مکالمہ مخاطب کا مقام مرتبہ ملحوظِ خاطر رکھا جائے،اگر وہ قوم کا لیڈر ہے تو اس کی عزت وتکریم کا خیال رکھا جائے،کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس میں وہ اپنی ہتک محسوس کرے اور راہِ حق سے بدک جائے۔ اس کی نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے دیکھا جائے کہ کیا وہ واقعی اس بات کو سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہے۔اس کے نقطہ نظر پر تنقید کرنے سے پہلے اس کی کسی خوبی کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ وہ اس تنقید پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکے اور کوئی ایسی بات نہ کی جائے کہ اس کی رگِ عصبیت پھڑک اٹھے۔اگر مخاطب کسی غلط فہمی کا شکار ہے تو انتہائی احسن انداز سے اس کی غلط فہمی کو رفع کیا جائے۔اس سلسلے میں نبی ﷺ کی سیرت سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

عدی بن حاتم ملک شام بھاگ گئے تھے۔جب اپنی بہن کی ترغیب پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ انہیں اپنے گھر لے گئے۔وہ آپ کے سامنے بیٹھ گئے تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا:تم کس خیر سے بھاگ رہے ہو،کیا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو،اگر ایسا ہے تو بتاؤ کیا تمہیں اللہ کے سوا کسی معبود کا علم ہے؟
عدی:نہیں۔

نبی ﷺ: تو پھر کیا تم اس سے بھاگتے ہو کہ اللہ اکبر کہا جائے،تو کیا تم اللہ سے بڑی کسی طاقت کو جانتے ہو؟

عدی:نہیں،اللہ سے بڑی کوئی طاقت نہیں ہے۔
نبی ﷺ: یہود پر اللہ کے غضب کی مار ہے اور نصاریٰ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔
عدی:مَیں حنیف مسلم (یکسو مسلمان) ہوں۔
یہ سن کر اللہ کے رسول کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔[۳۰]
ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عدی کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا:
عدی بن حاتم! کیا تم مذھباً رکوسی نہ تھے؟
عدی: بالکل ایسا ہی ہے۔
نبی ﷺ: کیا تم اپنی قوم کے مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتے تھے؟
عدی: کیوں نہیں!
نبی ﷺ: حالانکہ یہ تمہارے دین میں حلال نہیں ہے۔

عدی: ہاں اللہ کی قسم ایسے ہی ہے۔

عدی کہتے ہیں: یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ کیونکہ آپ نے بعض ایسی باتیں بتائی تھیں جو کسی کو معلوم نہیں تھیں۔[۳۱]

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے عدی اسلام قبول کر لو، سلامتی میں رہو گے۔

عدی: مَیں تو خود ایک دین کا ماننے والا ہوں۔

نبی ﷺ: مَیں تمہارا دین تم سے بہتر جانتا ہوں۔

عدی (تعجب کا اظہار کرتے ہوئے): آپ میرا دین مجھ سے بہتر جانتے ہیں؟

نبی ﷺ: ہاں، کیا تم مذھباً رکوسی نہیں ہو اور اس کے باوجود اپنی قوم کے مالِ غنیمت کا چوتھائی کھاتے ہو۔

عدی: آپ سچ فرم رہے ہیں۔

نبی ﷺ: یہ تمہارے دین کی رُو سے تو حلال نہیں ہے۔

عدی: آپ کی یہ گفتگو سن کر مجھے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔[۳۲]

جب غزوہ طائف کا زیادہ تر مالِ غنیمت اللہ کے رسول ﷺ نے تالیفِ قلبی کے لیے نومسلموں میں تقسیم کر دیا، چونکہ انصار پر خصوصاً اس حکیمانہ سیاست کی زد پڑی تھی لہٰذا بعض نوجوانوں کی زبان پر حرفِ اعتراض آ گیا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ذکر کی، آپ نے پوچھا: سعد تمہارا کیا خیال ہے؟

سعد: اللہ کے رسول مَیں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں۔

فرمایا: اچھا تو اپنی قوم کو ایک جگہ جمع کرو۔

آپ تشریف لائے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا:

انصار کے لوگو! یہ کیا چہ میگوئی ہے جو میرے علم میں آئی ہے؟ اور یہ کیا ناراضی ہے جو دل ہی دل میں تم نے مجھ پر محسوس کی ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مَیں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے ہدایت دی، تم محتاج تھے، اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا، ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم محبت ڈال دی۔

لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، یہ سب اللہ اور اس کے رسول کا فضل وکرم ہے۔

آپ نے فرمایا: انصار کے لوگو! تم جواب کیوں نہیں دیتے؟

انصار نے عرض کی: ہم کیا جواب دیں؟ ہم اللہ اور اس کے رسول کے فضل وکرم کے معترف ہیں۔

آپ نے فرمایا: دیکھو، واللہ! اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور سچ ہی کہو گے اور تمہاری بات سچ ہی مانی جائے گی۔ کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ دنیا نے آپ کو جھٹلایا تھا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔

آپ کو بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا تھا،ہم نے آپ کی مدد کی،آپ کو نکال دیا گیا تھا،ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا، آپ محتاج تھے،ہم نے آپ کی غمخواری اور غمگساری کی۔

اے انصار کے لوگو! تم اس عارضی دنیا کے لیے ناراض ہو گئے،قریش کے لوگ ابھی جاہلیت اور قتل وقید کی مصیبت سے نکلے تھے،مقصد یہ تھا کہ ان کی دل جوئی ہو جائے اور وہ مسلمان ہو جائیں اور تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا۔

اے انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھروں کو پلٹو؟

انہوں نے کہا: ہاں،ہم راضی ہیں۔

آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو مَیں بھی انصار کا ہی ایک فرد ہوتا۔ اگر ساری دنیا ایک راستے پر چلے اور انصار دوسرے راستے پر تو مَیں بھی انصار ہی کا راستہ اختیار کروں گا۔ اے اللہ! رحم کر انصار پر،ان کے بیٹوں پر اور ان کے پوتوں پر۔

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور کہنے لگے: ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے میں اللہ کے رسول ﷺ ہوں۔[۳۳]

نبی ﷺ کی سیرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ نبی ﷺ ہمیشہ اپنے مخاطب کی ذہنی صلاحیت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اکابر صحابہ جیسے صدیق اکبر،عمر فاروق،عثمان وعلی،سعد بن ابی وقاص،عبیدہ ابن الجراح،عبدالرحمٰن بن عوف،معاذ بن جبل،سعد بن معاذ،زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود کے سامنے جو حقائق علمیہ آپ ﷺ پیش کرتے تھے ظاہر ہے وہ عام صحابہ کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے تھے۔ ایک دیہاتی کو سمجھانے کا انداز بالکل مختلف اور سادہ ہوتا تھا۔

وحدتِ نسلِ انسانی اور لا اکراہ فی الدین کا خوبصورت ضابطہ

انسان نے رنگ ونسل،قومیت،علاقہ اور زبان کی بنیاد پر انسانیت کو مختلف طبقات اور دائروں میں تقسیم کیا۔ اور انہی خودساختہ بنیادوں پر مذاہب گھڑے گئے، برتری اور کم تری کے اس غیر عقلی اور غیر فطری معیار نے انسانیت کو فکری تشتت کے جہنم میں دھکیل کر خوفناک جنگوں کو کھڑا کیا لیکن اسلام نے وحدتِ نسلِ انسانی کا درس دیا،اور تقویٰ اور سیرت وکردار کو برتری کا معیار قرار دیا۔ خیر وشر کو برتری اور کمتری کا پیمانہ ٹھہرایا اور اس طرح گویا مکالمہ کی ایک مضبوط بنیاد دنیا کے سامنے پیش کی تاکہ وحدتِ نسلِ انسانی کی راہ ہموار ہو سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[۳۴]

”لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا،

تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

ابونضرہ منذر بن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس صحابی نے خبر دی جس نے ایام تشریق میں نبی ﷺ کا خطبہ سنا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَآ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ،وَ اِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ،اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی،اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ))

''لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے، خبردار ہو جاؤ! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں (فضیلت ہے تو) صرف تقویٰ کی بنا پر۔''[۳۵]

نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو حق ماننے کی دعوت دی مگر لوگوں کو قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا یہی طریقہ آپ کے ماننے والوں کا تھا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ مسلمان فاتحین نے کبھی دوسری اقوام کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ جب تک وہ مسلمانوں کے زیر نگین رہے، انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔

بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ صرف حکمت و دانش ہی نہیں تھی بلکہ ایک اللہ کی طرف سے ایک (دستور حیات) تھا جو سب سے تقاضا کر رہا تھا کہ ﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ﴾ دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اہل حمص پر جزیہ عائد کرنے کے بعد یرموک کی طرف بڑھے تو حمص کے عیسائیوں نے روتے ہوئے کہا کہ:

''اے مسلمانوں کی جماعت! رومی اگرچہ ہمارے ہم مذہب ہیں لیکن اس کے باوجود آپ ہمیں ان سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ عہد وفا کرتے ہیں، نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، انصاف و مساوات برتتے ہیں۔ آپ کی حکمرانی خوب ہے لیکن رومیوں نے ہمارے اموال پر قبضہ کیا اور ہمارے گھروں کو لُوٹا۔''[۳۶]

اسلام میں کہیں بزور شمشیر مسلمان کرنے کا حکم بھی نہیں چہ جائیکہ تاکید بلکہ اس کے برعکس عام اعلان ہے: ﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾[۳۷]

''دین میں کچھ زبردستی نہیں، گمراہی اور ہدایت میں فرق ظاہر ہو گیا۔''

اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ زبردستی مسلمان کیا جائے۔ زنا، شراب خوری، قمار بازی وغیرہ رسوم کو کیوں بزور مٹایا اور کیوں بت پرستی کو جرم قرار دیا تو یہ محض لغو اعتراض ہے، کیا اس وقت کے روشن دماغ جرائم کو بزور نہیں مٹاتے؟ اور مخالفوں کے مال و اسباب ضبط نہیں کرتے اور انہیں قید میں نہیں ڈالتے۔ اللہ تو اسلام کے باغیوں کو قید غلامی کی سزا دیتا ہے، انبیائے بنی اسرائیل نے زن و بچہ بلکہ مخالفین کے جانوروں تک کو زندہ نہ چھوڑا، تورات اور کتاب یُوشع وغیرہ کو ملاحظہ فرمایئے۔ فافھم

برِصغیر کے لوگوں کے جوق در جوق اسلام قبول کرنے میں جبر و طاقت کا استعمال نظر نہیں آتا۔ ہندوستان کی ایک چوتھائی آبادی کے اسلام قبول کرنے کے کئی مختلف اسباب تھے۔سب سے پہلے تو یہ بات ہوئی کہ اسلام ان خطوں میں زیادہ تیزی سے پھیلا جہاں اسلام کی آمد تک بدھ مت ابھی باقی تھا مثلاً جزیرہ نما کے کچھ شمال مغربی اور کچھ مشرقی حصوں میں ہندوستان کے ساحلوں پر مسلم تجار اور آباد کاروں کی تبلیغ سے اسلام کے پھیلنے کو ہندو راجاؤں نے نہ کچھ زیادہ اہمیت دی اور نہ ان سے انہیں کوئی خطرہ محسوس ہوا چنانچہ ان علاقوں میں لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر جن کی تعداد بہت قلیل ہوتی تھی ،کوئی پابندی عائد نہیں کی۔

نتائج تحقیق

بدقسمتی سے دنیا کے بڑے بڑے خوفناک مسائل عالم اسلام کو درپیش ہیں اور عالم اسلام، اسلام دشمن طاقتوں کے اتحاد اور سازشوں کی کثرت کے اعتبار سے مصائب و آلام کا شکار ہو چکا ہے۔ ہر طرف الحاد و بے دینی کا پرچار زوروں پر ہے اور مسلمان کی مذہبی سوچ پر تالے لگائے جا رہے ہیں اور انہیں Fundamentalist ہونے کا طعنہ دیا جارہا ہے۔عیسائیت کے پیروکار صلیبی جنگوں میں شکست کھانے کے بعد پھر ''مثل جنگاری'' کے ابھرنے لگے ہیں اور اسلام کے مضبوط قلعہ سے پھر ٹکر لینے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

طاغوت اور اس کے پجاریوں اور رحمان کے بندوں کے درمیان حق و باطل کا معرکہ روزِ اوّل سے جاری ہے اور اللہ کے محبوب بندے تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعدار پوری زندگی گزارتے رہتے ہیں اور یہی لوگ دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں ۔مگر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور تعلیمات الٰہیہ کو پس پشت ڈالا وہ اللہ کے غیظ و غضب کے علاوہ آنے والے لوگوں کے لئے نمونہ عبرت بنا دیے گئے۔

اسلام دشمن قوتیں اس قسم کے مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھرپور کوششیں کر رہی ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس عالمگیر اور سچے مذہب کو ختم کر سکیں اور انہیں اس مذہب کا کوئی بھی ایسا پیروکار جو قرآن و سنت کی متابعت کرتے ہوئے عزت وعفت کی زندگی گزار رہا ہو ایک آنکھ نہیں بھاتا اس سے پہلے بھی وہ اس قسم کے ہتھکنڈے اختیار کرتے رہے ہیں۔کبھی ہندو مذہب کی آڑ میں کبھی خود ساختہ نبی کے سہارے، کبھی ترقی کرنے کا جھانسہ دے کر اور کبھی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا جال پھینک کر عام مسلمانوں کو ورغلانے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور آج بھی یہ قوتیں اس ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔

لیکن چونکہ اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود خالق کائنات کے ہاتھ میں ہے اس لئے ان دشمنان اسلام کے مکر و فریب سے عوام کو محفوظ رکھنے کے لئے اللہ رب العزت بوقت ضرورت اپنے خاص بندے پیدا کر دیتا ہے۔ جو اسلام کی حمایت میں چومکھی لڑائی لڑتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں اسلام مزید طاقت کے ساتھ دنیا کے سامنے ابھرتا ہے اور اپنے پرائے سب اس کی سچائی کے قائل ہو

جاتے ہیں۔

باطل پرست قوموں کی پوری کوشش رہی ہے کہ مسلمان کسی نہ کسی طرح اپنی تعلیمات کو بھول جائیں۔کوئی اسلام کا نام نہ لے،کوئی قرآن وسنت کی بےحرمتی پرآگ بگولا نہ ہو۔کوئی توہین رسالتؐ کی وجہ سے کسی شاتم رسول کے لئے سزائے موت کا مطالبہ نہ کرے۔کوئی عفت وعصمت لٹنے کا رونا نہ روئے،کوئی حرام وحلال میں تمیز باقی نہ رکھ سکے۔اس کام کے لئے آریہ، ہندو، نیچری اور قادیانی خاص طور پر تیار کئے گئے ہیں۔

تجاویز

۱) ضرورت ہے کہ اس منہج نبوی کو اختیار کرتے ہوئے قرآن وسنت کی دائمی عالمگیر تعلیمات کو عوام الناس اور بالخصوص امت مسلمہ تک پہنچانے کے لئے بھرپور کوشش کی جائے۔

۲) ان حالات میں ''احیائے دین'' کے لئے ان بزرک علماء کی دینی وملی خدمات کو نئے سرے سے اجاگر کرنا ہمارا اوّلین فرض بنتا ہے تاکہ اس نئی نسل کی اسلامی خطوط پر رہنمائی ہو سکے۔اور مذہب کی سچائی سے پوری طرح واقف ہوسکیں۔

۳) مقصدیت: حق کو واضح کرنا اور باطل کو ردّ کرنا۔

۴) اسلامی تعلیمات کو مسخ نہ ہونے دینا کیونکہ خدشہ ہے کہ موجودہ حالات میں اسلام کی مسلمہ تعلیمات کو مسخ کیا جارہا ہے جیسا کہ آج کل گستاخِ رسولؐ کی سزا پر تبصرے ہورہے ہیں۔

۵) جامعات کا خصوصی طور پر یہ فریضہ بنتا ہے کہ اس موضوع پر اپنے طلباء کو تحقیقی مقالات (ایم اے، ایم فل، اور پی ایچ ڈی) تفویض کریں۔

۶) دنیا بھر میں منعقد ہونے والے ''سیمینارز'' کا Data Base مرتب کریں تاکہ پتہ چل سکے کہ "مکالمة بين المذاهب "کس سمت جارہا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱ ۱۸/الکھف:۳۴۔۳۷ ۲ ۵۸/المجادلة:۱

۳ ۵۱/الذٰریٰت:۷۔۱۱ ۴ ۱۶/النحل:۱۲۵۔۱۲۶

۵ ۲۰/طٰہٰ:۴۴ ۶ ۷۴/المدثر:۱۔۵ ۷ ۳/ال عمرٰن:۱۹

۸ ۳/ال عمرٰن:۸۵ ۹ ترجمان القرآن ۱/۳۲۹، اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور

۱۰ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: ﴿لا تبديل لخلق الله﴾......ح:۴۷۷۵

۱۱ ایضاً، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب و مخرجه الى بنى قريظة و محاصرته اياهم، ح:۴۱۱۹

۱۲ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الفتیا و هو واقف على ظهر الدابة او غيرها، ح:۸۳؛ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز تقديم الذبح على الرمى و الحلق على الذبح و الرمى و تقديم الطواف عليها كلها، ح:۱۳۰۶

۱۳ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿لا تتخذوا عدوى و عدوكم اولياء﴾، ح:۴۸۹۰

۱۴ ۵/المائدة:۶۷ ۱۵ ۶۸/القلم:۹ ۱۶ الکفرون (مکمل سورہ)

۱۷ ۳/ال عمرٰن:۶۴ ۱۸ فتح الباری ۹۴/۸-۹۵، رئاسة ادارات البحوث، سعودی عرب

۱۹ جامع ترمذی، ابواب التفسیر عن رسول الله ﷺ، باب و من سورة التوبة، ح:۳۰۹۵، و حسنه الالبانی

۲۰ ابن قیم الجوزیة (م: ۷۵۱ھ)، زاد المعاد ۲۶/۳-۲۸، ط: ۱۳۴۷ھ، المکتبة المصریة

۲۱ ۲۹/العنکبوت:۴۶ ۲۲ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن ۷۰۸/۳، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۲۳ سنن ابن ماجة، کتاب السنة، باب الانتفاع بالعلم و العمل به، ح:۲۵۹، شواہد کے لیے حدیث ۲۵۸ اور ۲۶۰ دیکھیے۔

۲۴ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ۴۳۰/۵، ط: اکتوبر ۱۹۹۴ء، ادارۃ المعارف، کراچی

۲۵ ۳/ال عمرٰن:۶۴-۶۷ ۲۶ مسند احمد، ح:۲۱۷۰۸

۲۷ مسند احمد ۱۵۹/۱، بولاق، مصر

۲۸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿و انذر عشيرتك الاقربين......﴾، ح:۴۷۷۰

۲۹ ایضاً، ح:۴۷۷۱ ۳۰ زاد المعاد، ۲۰۵/۲

۳۱ السیرة النبویة لابن هشام، ۵۸۱/۲، ط: ۱۳۷۵ھ، مکتبة مصطفیٰ البابی، مصر ۳۲ مسند احمد ۲۰۷/۴

۳۳ السیرة النبویة لابن هشام، ۲۹۹/۲؛ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان، ۴۳۳۰، ۴۳۳۱، ۴۳۳۷

۳۵ ۴۹/الحجرٰت:۱۳ ۳۴ مسند احمد ۴۱۱/۵، ح:۲۳۵۵۰

۳۶ احمد بن یحیٰ بن جابر الشهیر البلاذری، فتوح البلدان، ص:۱۳۷

۳۷ ۲/البقرة:۲۵۶

۳۸ پروفیسر عزیز احمد خان، برصغیر میں اسلامی کلچر، ص:۱۰۹-۱۱۹، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، جون: ۱۹۹۷ء، ترجمہ: جمیل احمد جالبی۔